ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی

# مکی اسلام کی تفہیم ۔ مسائل و جہات

بہت سے مسلم اور غیر مسلم اہلِ علم و فکر کے ذہن و خیال میں یہ غلط فہمی در آئی ہے کہ اسلامی احکام، دینی اعمال، قانونی افکار، فقہی قوانین، سماجی اصول، معاشی ہدایات اور تہذیبی علائم کا ارتقا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی عہد میں نہیں ہوا۔ عام اہلِ علم کا کیا ذکر، بہت سے مستند علمائے کرام اور فقہائے عظام بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ان کے خیال و علم پر عہدِ جاہلیت کا تاریک سایہ چھا گیا ہے، کیونکہ بالعموم یہ تصور عام ہو گیا ہے کہ جاہلی دور میں خرابی ہی خرابی تھی، اچھائی کی رمق بھی نہ تھی۔ بعض روشن دماغوں کو اگر اس دورِ تاریکی میں کہیں روشنی کی لکیر نظر بھی آئی تو احکام کی صورت نظر نہ آئی۔

## عہدِ جاہلیت کا غلط تصور

عرب جاہلی عہد بالخصوص مکی اشرافیہ اور قریش کے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تہذیبی تسلط و غلبے کے پس منظر میں ان اہلِ علم کو مکی اسلام کا دینی ارتقا نظر آتا ہے تو وہ اسے جاہلی نقطۂ نظر سے پڑھتے اور جانچتے ہیں۔ قبائلی نظامِ معاشرت میں بعض مفکرین، بالغ نظر مورخین اور ذہین سیرت نگاروں تک کو تمدن کی جھلک تک نہ دکھائی دی۔ مولانا شبلی نعمانیؒ جیسے عبقری سیرت نگار اور بالغ فکر مؤلف بھی اس خیال کے حامی تھے کہ ایران و عراق اور شام وغیرہ کے قرب و جوار میں بسے ہوئے عرب قبائل اور علاقوں میں ان کے تمدن کے زیرِ اثر کچھ تہذیبی ارتقا ہوا تھا اور بعض خاصے متمدن بھی ہو گئے تھے "لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی، عربی زبان نہایت وسیع ہے، باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسبابِ معاشرت سے تعلق ہے ان کے لئے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے، بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانے میں جو ترقی کی تھی آس پاس کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی، اس لئے جو مقامات ان ممالک سے دور تھے اسی اصلی حالت پر رہ گئے" (۱)

مولانا مرحوم نے اپنے نظریہ تمدن کی پوری عمارت صرف لسانی بنیاد پر کھڑی کی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ صرف ایک پہلوئے تمدن ہی ہے۔ دوسرے علمائے سیرت نگاروں نے تو جاہلی تمدن کا خیال بھی نہیں

کیا اور جو کچھ سمجھا اور لکھا وہ خالص جاہلی پس منظر میں ہی کیا۔

## مکّی سورتوں کی ناقص تفہیم

رسولِ اکرم ﷺ کے مکی عہد میں اسلامی احکام اور دینی اعمال کے ارتقا کے باب میں ایک اور عمومی تأثر بھی سدِ فکر ونظر کا کام کرگیا۔ بہت سے علما اور متعدد دانشوروں کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید کی مکی سورتوں میں صرف بنیادی عقائد اسلام، توحید، رسالت، آخرت اور ان کے ضمنی عقیدوں، کتابوں، فرشتوں، جنت و دوزخ وغیرہ ہی کو بیان کیا گیا ہے۔ احکام وتعلیمات کے تعلق سے ان کا خیال ہے کہ ان مکی سورتوں میں صرف اخلاقی تعلیمات ہی دی گئی ہیں۔ اور ان میں احکام، حدود اور فرائض کا ذکر ہی نہیں، اور غضب یہ کہ یہ فاسد اقوال وروایات بعض عظیم وقدیم امامانِ اسلام کی طرف منسوب ہیں۔

مکی اور مدنی قرآن مجید سے بحث کرتے ہوئے امام زرکشی (بدر الدین محمد بن عبداللہ، ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء۔ ۷۹۴ھ/۱۳۹۲ء) نے امام ابوعمر وعثمان بن سعید الدارمی کی ایک روایت ان کی سند سے بیان کی ہے۔ اس میں حضرت عروہ بن زبیر اسدیؒ (۲۲/۶۴۳۔۹۴/۷۱۳) کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جو کسی حد یا فریضے سے متعلق ہے وہ مدینے میں نازل ہوا، اور جس کا تعلق امتوں اور عذاب سے ہے وہ مکے میں نازل کیا گیا۔ (۲) امام زرکشی نے اس قولِ حضرت عروہؒ پر کوئی بحث وکلام نہیں کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ان کے نزدیک قابلِ قبول ہے۔ کیونکہ انہوں نے بعض اقوال پر نقد ونظر سے کام لیا ہے اور ان کی تردید بھی کی ہے یا ان کی عالمانہ توجیہ کے روایتی طریقے سے کام لیا ہے۔

اس خیال نے تقریباً عقیدے کی حیثیت اختیار کرلی اور بہت سے مفسرین اور مصنفین کے ہاں وہ جڑ پکڑ گیا۔ انہوں نے اسے صاف طور سے یا مضمر انداز میں بیان کیا اور رفتہ رفتہ یہ نظریۂ عام بن گیا کہ مکی سورتوں میں صرف اخلاقی تعلیمات ہیں اور احکام وقوانین بعد میں مدینہ منورہ کے زمانے میں عطا کیے گئے، کیونکہ مکہ مکرمہ میں ان پر عملی نفاذ کی کوئی گنجائش وصورت نہ تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ تاریخ اسلام اور سیرتِ نبوی کے مطالعے میں بھی یہی خیال ذہنوں پر حاوی رہتا ہے۔ بالعموم مورخین اور سیرت نگار اسلام کے مکی دور کو اخلاقی تعلیمات کا دور ہی قرار دیتے ہیں اور احکام وفرائض کا حوالہ بہت کم دیتے ہیں۔ (۳)

## سیرت میں احکام کی عدم شمولیت

یہ حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب سیرتِ نبوی ﷺ کے ابواب میں ان میں سے بعض اہلِ

قلم نے خود بھی مکی احکام وفرائض کو جستہ جستہ واقعات کے تحت بیان کیا ہے۔ وہ مکی دورِ سیرت کے مختلف مراحل میں بعض فرائض کا ذکر کرتے ضرور ہیں خواہ ضمنی اور سطحی طور سے کریں۔ ان کے نزدیک دراصل سیرتِ نبوی اور مکی دورِ اسلام کی سماجی اور دینی تاریخ اور واقعاتی ترتیب اور سوانحی جزئیات کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے، اس لئے وہ احکام وفرائض اور قوانینِ اسلام کا صرف سرسری ذکر کر کے رہ جاتے ہیں، لیکن بنیادی مطمحِ نظر کے سامنے دوسری بنیادی حقیقتوں کو نظرانداز کردینا مناسب رویہ اور خالص تاریخی طریقہ ہرگز نہیں۔

مولانا شبلی نعمانیؒ نے اپنی سیرت النبی میں جستہ جستہ واقعات کے تحت اکثر و بیشتر اور سوانحی روایات کے ضمن میں بعض اوقات مکی احکامِ اسلام کا حوالہ خوب دیا ہے۔ وہ اسے سیرتِ نبوی کے بنیادی بیانیے میں گوندھنے سے قاصر رہے، اور بسا اوقات مکی سیرت کے بیانیے میں وہ بہت سے بنیادی فرائض واحکام کو بیان بھی نہیں کر سکے اور بعد کے واقعات کے ضمن میں ان کے حوالے دے کر رہ گئے، جس سے ایک عام قاری کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ایسا اہم اسلامی فرض وحکم کب اور کیوں آیا تھا۔ مثلاً اولین تنزیلِ قرآن کریم کے بعد وہ نماز ووضو وغیرہ کی فرضیت کا ذکر نہیں کرتے، خفیہ تبلیغ وعمل کے زمانے میں اس کا حوالہ ضرور دیتے ہیں۔

> نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے (۴)

مولانا شبلی نے دربارِ نجاشی میں حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمیؓ (۵۹۱ء کے قریب، ۶۳۰ء) کی تقریر کا خلاصہ لکھا ہے (۵) مگر اس میں بھی ان کو احکام وفرائض کی فرضیت نظر نہیں آئی، اسی طرح سورۃ النجم کی آخری آیت کی تلاوت کے بعد سجدۂ نبوی کا حوالہ دیا مگر اس کے حکم کی طرف ذرا بھی اشارہ نہیں فرمایا (۶) بعد کے واقعات میں تو انہوں نے اسلامی احکام وفرائض کا ذکر تقریباً نظرانداز ہی کر دیا۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء۔ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) اور مولانا مودودیؒ نے البتہ ''توحید ورسالت کے بعد سب سے پہلا فرض'' اور ''نبوت کے بعد پہلا فرض نماز'' کی بالترتیب دو مختصر فصول کے تحت نماز و وضو کی فرضیت کے واقعے پر مختصر انداز میں لکھا ہے۔ (۷) انہوں نے معراج سے قبل نماز کی فرضیت سے متعلق علما کے مختلف اقوال سے بحث کی ہے اور اپنی رائے بھی دی ہے کہ ''ابتدائے بعثت ہی سے آپ ﷺ کا نماز پڑھنا تو قطعاً ثابت ہے''۔ انہوں نے سورۂ مزمل کے نزول کے بعد قیامِ لیل یعنی تہجد کے حکم کے نزول کا بھی ذکر کیا ہے اور شبِ معراج میں پانچ نمازوں کی فرضیت کا بھی اسی مختصر فصل میں ایک ہی جگہ ذکر کر دیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے معراج کی بحث میں نمازِ پنجگانہ سے متعلق جو بحث کی ہے وہ

مختصر ہے اور دوسری تفصیلات زیادہ ہیں (۸) بقیہ مباحث میں انہوں نے اور مولانا کاندھلویؒ نے اسلامی احکام وفرائض سے تعرض ہی نہیں کیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے آخری باب میں ''مکی دور پر ایک مجموعی نظر'' (۹) ڈالی ہے لیکن اس میں بھی اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں ہے۔

اور یہ صرف تین بزرگ سیرت نگاروں کا وطیرہ نہیں ہے، بلکہ کم وبیش تمام مسلم سیرت نگاروں کا طریقہ ہے۔ سیرت نگاروں کے لئے یہ عذر تلاش کیا جاسکتا ہے کہ وہ اسلامی احکام وقوانین سے براہِ راست بحث نہیں کر رہے تھے اور ان کا مقصود صرف سوانح وحالات کا بیان تھا، لیکن عام علمائے کرام اور ان سے زیادہ فقہائے کرام کے ہاں مکی احکام سے اعراض وگریز زیادہ حیرت ناک ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے سلسلۂ احکام کو گزشتہ انبیائے کرام کی شریعت بالخصوص دینِ حنفی سے جوڑ نہیں سکے۔

## دینِ حنفی سے بے ربطی کا غلط خیال

عظیم ترین غلط فہمی یہ پیدا ہوئی کہ رسولِ اکرم حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا کام ایک قسم کے دینی خلا اور شرعی عدم میں شروع کیا، اور آپ ﷺ نے تمام احکام وفرائض کی ازسرِ نو صورت گری کی۔ اس پراگندہ ذہنی کا زیادہ شکار وہ اہلِ علم وقلم ہیں جو قرآن وحدیث اور سیرت وتاریخ کا مطالعہ تو کرتے ہیں لیکن وہ اسلام کے مجموعی تناظر کا ادراک وشعور نہیں رکھتے۔ وہ اسلام کی تاریخ کے تسلسل اور اس کی ازلیت سے بے بہرہ ہیں۔ وہ اسلام کے آخری پیغمبر ﷺ کے کام ونام کو اس سلسلۂ زریں کے اولین، پیشرو اور مسلسل کڑیوں سے جوڑ نہیں پاتے۔ احساس دلانے پر وہ بھی جاگ اٹھتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ اسلام کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری سے ہوا تھا اور وہ برابر ہر ایک رسول، ہر ایک نبی، ہر ایک مذہب اور ہر ایک کتاب اور ہر ایک شریعت کے ساتھ ترقی پذیر ہوتا رہا۔ قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں اسلام کے مرحلہ وار تدریجی ارتقا کا واضح ذکر آتا ہے جو دراصل اس کائنات کی تمام چیزوں کا ظہور ونمو کا اصول ہے۔ یہاں کوئی شے اچانک ارتقا پذیر نہیں ہوجاتی اور نہ ہی تکمیل وعروج کی منزل اور ترقی کی معراج کو پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک اسلام کی ترقی اور تکمیل کا مرحلہ وار خاکہ بیان کیا ہے۔

اس کا سب سے بڑا ثبوت ان آیاتِ کریمہ میں ملتا ہے جن میں رسولِ اکرم ﷺ کو انبیائے سابقین کی پیروی کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ تقلید واقتدا اور پیروی وپیروکاری کی یہ ہدایت ربانی اسلام کے تدریجی ارتقا کی شہادت ہے۔ سورۂ انعام (۱۰) میں پیشرو رسولانِ عظام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ ان میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ حضرات نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام کا واضح تذکرہ فرمانے کے بعد ان کے آبا، ذریت اور اخوان کے ہدایت یافتہ افراد کا عمومی ذکر کیا ہے۔ مزید یہ واضح کیا ہے کہ ان کو کتاب، حکم اور نبوّت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اور ان کو ہدایت دی تھی لہٰذا ان کی ہدایت کی اقتدا کا حکم ہوا۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ (۱۱)

وہ لوگ تھے جن کو ہدایت دی اللہ نے، سو تو چل اُن کی راہ۔

ان پیشرو انبیاء اور رسولوں سے رسولِ اکرم ﷺ کا ایک عام اسلامی، منصبی اور نبوی رشتہ و تعلق تھا۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ آپ ﷺ کا ایک خصوصی، خاندانی، خونی تعلق و رشتہ بھی تھا کہ آپ ﷺ نسلِ اسماعیل کے آخری نبی بھی تھے اور ان کے خاندان کے فرد بھی۔ آپ ان سے جغرافیائی اور وطنی علاقہ بھی رکھتے تھے کہ جدّ امجد شہرِ مکہ کے اولین بانی، پہلے باسی اور عظیم ترین باشندے تھے، اور آپ ﷺ اسی شہرِ الٰہی کے فرزند نبی تھے۔ حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام سے ایک اور خصوصی رشتہ بیت اللہ کے حوالے سے بھی تھا اور یہ بڑا محترم و مکرم رشتہ تھا۔ دونوں جدّ امجد خانۂ کعبہ کے بانیٔ نو، معمارِ تازہ اور آباد کارِ تاریخی ہیں تو آپ ﷺ کا خاندان اس کا متولی، کلید بردار اور خادم تھا۔ آپ کا غالباً سب سے بڑا رشتہ ابوالانبیا، علیہ السلام سے یہ تھا کہ آپ ﷺ میراثِ ابراہیمی اور وراثت اسماعیلی کے وارث، محافظ اور امین تھے۔ انہی تمام اور ان جیسے دوسرے رشتوں کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ ﷺ کی بعثت اور رسالت اور نبوت کی دعا بارگاہِ الٰہی میں کی تھی، جو پوری طرح مقبول و مستجاب ہوئی تھی۔

ان گوناگوں جسمانی اور روحانی روابط کے سبب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطورِ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّت، دین، سنّت، طریقہ، مذہب، مسلک اور اسلام کی پیروی کی ہدایت فرمائی ہے۔ سورۃ النحل میں حکمِ الٰہی ہے:

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ط وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (۱۲)

پھر ہم نے آپ کو وحی فرمائی کہ آپ ملتِ ابراہیمی کی پیروی فرمائیں، جو حنیف (سیدھے راستے پر گامزن) تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

ملت ابراہیمی کی اقتدا اور پیروی کا ذکر مکی سورتوں میں برابر پایا جاتا ہے، جو اُس کی اہمیت کو

پوری طرح واضح کرتا ہے:

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (۱۳)

تو کہہ! مجھ کو تو سجھائی میرے رب نے راہ سیدھی، دین صحیح، ملت ابراہیم کی، جو ایک طرف کا تھا، اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (۱۴)

اور یہ کہ سیدھا کر منہ اپنا، دین پر، حنیف ہوکر، اور مت ہو شرک والوں میں۔

فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا (۱۵)

سو تو سیدھا رکھ منہ اپنا دین پر ایک طرف کا ہوکر، وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو۔

مدنی سورتوں میں بھی یہی ہدایتِ ربانی برابر پائی جاتی ہے (۱۶) اور یہ تسلسل کی دلیل ہے۔

## تاریخی تسلسلِ ارتقا سے عدم واقفیت

احادیثِ نبوی میں نبوت کے ادارے کو ایک رشتۂ الٰہی میں پرویا ہوا بتایا گیا ہے اور تمام انبیائے کرام اور رسولانِ محترم کو ایک ہی دین اسلام کا رسول و پیغمبر، فرستادہ و رہنما اور عامل و پیرو قرار دیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیثِ صحیح سے پوری طرح واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء اور رسل اپنے اپنے زمانے میں ادارۂ نبوت اور دین اسلام کی عمارت ایک کے بعد ایک اینٹ تلے اوپر رکھ کر تعمیر کرتے رہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد آخری اینٹ رکھ کر ادارۂ رسالت کی تکمیل کردی۔ یہ آخری اینٹ آپ ﷺ بنفسِ نفیس تھے اور اس سے یہ حقیقت بھی ثابت ہوگئی کہ آپ ﷺ آخری رسول اور خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا کہ دین کی تکمیل ہوگئی اور اس کے بعد کسی نئے نبی و رسول کے آنے کی ضرورت و گنجائش ہی نہ رہ گئی۔ وہ آپ ﷺ کی آفاقیت، ابدیت اور تاقیامت تسلسلِ نبوت کی بھی دلیل ہے اور شہادت و گواہی بھی۔

امام بخاری (محمد بن اسمٰعیل، ابوعبداللہ، ۱۳ ارشوال ۱۹۴ھ/۲۳ جولائی ۸۰۹ء۔ ارشوال ۲۵۶ھ/۳۱ اگست ۸۷۰ء) نے اس حدیثِ نبوی کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

عنہ کی روایت سے دو جگہ نقل کیا ہے۔ دونوں کا متن تھوڑا سا مختلف ہے:

۱۔ عن جابر بن عبدالله رضی الله عنهما قال قال النبی صلی الله علیه وسلم ،مثلی و مثل الانبیاء کرجل بنی دارا فاکمل واحسن، الاموضع لبنة، فجعل الناس یدخلون ویتعجبون و یقولون لولا موضع اللبنة

۲۔ عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنیٰ بیتا فاحسنه واجمله، الاموضع لبنة من ز اویة، فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة ؟ قال فانا اللبنة، وانا خاتم النبیین (۱۷)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی، مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہارِ حیرت کرتے تھے مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیّین ہوں۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی (احمد بن علی بن حجر، ۷۷۳ھ/۱۳۷۱ء۔۸۵۲ھ/ ۱۴۴۸ء) اور دوسرے علما و محدثینِ کرام نے وضاحت کی ہے کہ ان دونوں حدیثوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تسلسل کے ساتھ آپ ﷺ کی فضیلت اور تکمیل شریعت کا ثبوت ملتا ہے۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر خوب سیر حاصل بحث کی ہے۔ آخری حدیثِ نبوی بیان کرنے کے بعد انہوں نے مزید لکھا ہے کہ ''اس مضمون کی چار حدیثیں مسلم کتاب الفضائل، باب خاتم النبیّین میں ہیں اور آخری حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں فجئت فختمت الانبیاء، پس میں آیا اور میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا''۔ یہی حدیث الٰہی ان الفاظ میں ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل النبی اور کتاب الآداب، باب امثال میں ہے۔ مسند ابو داؤد طیالسی میں یہ حدیث جابرؓ بن عبداللہ کی روایت کردہ احادیث کے سلسلے میں آئی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: ختم بی الانبیاء ''میرے ذریعے سے انبیاء

کا سلسلہ ختم کر دیا گیا'' مولانا موصوف نے ختمِ نبوت پر اس کے بعد بہت سی احادیث جمع کر دی ہیں اور اس سے قبل نبوت کے سلسلے اور تسلسل سے بھی بحث کی ہے۔ یہ بحث پڑھنے کے لائق ہے۔ (۱۸)

## شرائع کے اختلاف کا تصور

ایک اور عمومی غلط فہمی یہ راہ پا گئی کہ تمام انبیائے کرام کی شریعتوں کو ایک دوسرے سے بالکل الگ، مختلف اور لاتعلق مان لیا گیا۔ یہ تصور دین کی وحدت اور اسلام کی آفاقیت کے سراسر منافی ہے۔ دین و شریعت میں اختلاف بھی ہے اور بعض احکام وقوانین، اصول وضوابط اور قواعد وآئین کا فرق بھی پایا جاتا ہے، لیکن یہ اختلاف وفرق بقول امام ابن تیمیہ (ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم حنبلی، ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ/ ۲۳ جنوری ۱۲۶۳ء - ۲۰ ذوقعدہ ۷۲۸ھ/ ۲۷ ستمبر ۱۳۲۸ء) اختلافِ تضاد وتصادم نہیں، اختلاف وفرقِ تنوع ہے۔

ملتِ ابراہیمی اسماعیلی یا ''ملتِ حنیفہ سمحہ'' کی اتباع کی ہدایتِ ربانی سے یہ حقیقت بھی اُجاگر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے دین وشریعت اور مذہب وطریقت اور تہذیب وتمدن میں پیش رووں سے کوئی جوہری فرق نہیں پایا جاتا، جس طرح دینی عقائد میں اشتراک نظر آتا ہے اور توحید، رسالت اور آخرت اور ان کے ذیلی عقیدے مشترک ملتے ہیں، اسی طرح گزشتہ انبیائے کرام کے ارکانِ دین میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے اور اس کو جوہری اتحاد و یگانگت کہا جاسکتا ہے۔ شریعت وقانون میں بعض زمانے کے فرق واختلاف کو اتنا نہیں بڑھایا جاسکتا کہ وہ بالکل دوسری اور منافی شریعت بن جائے۔ گزشتہ انبیائے کرام کی شریعت سے بھی شریعتِ محمدی نے بہت کچھ اخذ واکتساب کیا تھا، کیونکہ یہ آخری شریعت بھی تو انہی پر ترقی پاکر تکمیل کو پہنچی تھی۔ متعدد شرعی قوانین تمام شرائعِ انبیائے کرام میں نہ صرف یکساں ہیں بلکہ متحد وہم آہنگ ہیں۔ اختلاف وفرق تو زمانوں کے مختلف تقاضوں کے سبب ہوتا رہا۔ اسی طرح انسانی تہذیب وتمدن بھی مختلف ادوار میں پروان چڑھتے رہے اور اپنے اپنے عصری تقاضوں کے تحت نشو ونما پاتے رہے، لہٰذا اس کے مختلف مظاہر میں بھی اشتراک واتحاد، یگانگت ومماثلت اور تعلق ورشتہ پایا جاتا ہے۔ اور عصری تقاضوں، قوموں کے مذاق، زمانے کے حالات، جغرافیائی عناصر کی کارفرمائی، انسانی ذہن کی بوقلمونی اور ان سے زیادہ الٰہی رنگ آمیزی نے ان میں رنگارنگی بھی پیدا کی۔ یہ تہذیب وتمدن دراصل تمام انسانی معاشروں کا بنایا ہوا عطیہ ہے۔

## عام دینی پس منظر

ایک زمینی حقیقت اور تاریخی واقعیت یہ ہے کہ دینی اعتبار سے کوئی قوم کسی پیشرو پیغمبر کی تعلیمات کے بعد ہی وجود میں آتی ہے۔ وہ اس کی بنیادی فکر وتعلیمات، دین و مذہب اور طریقۂ تمدن سے

بھی آگاہ ہوتی ہے اسی لئے وہ اپنے پیغمبر کی طرف منسوب ہوتی ہے، خواہ تعلیماتِ دین، فکرِ رسول اور اسوۂ پیغمبر سے اُن کی آگاہی کتنی ہی ناقص، نامکمل اور غیر مخلص ہو۔ پیغمبر اور رسول کی وفات کے بعد جب اس کی قوم بے راہ، بدچلن یا بدکردار ہوتی ہے تب بھی وہ چند تعلیمات سے واقف بھی رہتی ہے اور بعض اعمال و رسوم کی جبلی طور سے پابند بھی۔ حتیٰ کہ بسا اوقات اُن کی قومی فکر میں رسول کی صحیح فکر و عقیدے کی جھلکیاں بھی باقی رہ جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں خاص طور سے جن گزشتہ اقوام اور پرانے مذاہب کا ذکر ملتا ہے ان کی فکر و عمل کے مطالعے سے یہی حقیقت سامنے آتی ہے۔

اسی سے وابستہ و پیوستہ دوسری حقیقت یہ بھی ہے کہ ایک قوم کے پہلے رسولِ مکرم کے عرصۂ حیات و عمل سے ہٹ جانے کے بعد رفتہ رفتہ اس قوم میں مختلف وجوہ سے خرابیاں آنی شروع ہوتی ہیں اور وہ ہر طرح کی سماجی و دینی خرابیاں ہوتی ہیں۔ قوم کے بگاڑ کے اس زمانے کو اصطلاحی طور سے ''فترۃ'' کہا جاتا ہے۔ جب اولین رسولِ مکرم کی تعلیمات میں خلط ملط پیدا ہو جاتا ہے، جب بگاڑ اور فساد ایک خاص حد پار کر لیتا ہے اور عام مصلحوں اور مجددوں کی اصلاحی قید و بند میں نہیں آتا تو قانونِ الٰہی حرکت میں آتا ہے، اور دوسرا رسولِ مکرم اسی قوم میں مبعوث کیا جاتا ہے تاکہ بگاڑ دور کرے، خرابیوں کی اصلاح کرے، فکر و عقیدے اور رسوم و اعمال کی کجی ختم کرے اور اپنے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ قومی ضروریات کے مطابق اصلاح و تجدید کا کام کرے۔ نیا رسول اور آنے والا نبی اپنی قوم کی ہر رسم و طریقے کو یکسر نہیں مٹاتا بلکہ غلط کی اصلاح کرتا ہے صحیح کو باقی رکھتا ہے اور ضروری کا اضافہ بھی کرتا ہے۔

## شریعتِ محمدی کا پس منظر

قرآنِ مجید، احادیثِ نبوی، روایاتِ سیرت، اخبارِ تاریخ اور میراثِ عرب سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی صلی اللہ وسلم کو جب عربوں کی ابتدائی اصلاحِ حال کے لئے مبعوث کیا گیا تو وہ دینِ ابراہیمی کے پیرو تھے۔ اول مخاطبین کے ساتھ ساتھ سارے جہان کے تمام لوگوں (کافۃ للناس) اور دوسری تمام قوموں اور ملتوں کی اصلاح کے لئے جب آپ ﷺ کو آفاقی اور ابدی نبوت سے سرفراز کیا گیا تو دنیا جہان کے لوگ، قومیں اور ملتیں کسی نہ کسی پیغمبر کے ماننے والی تھیں۔ بہت کم ایسے تھے جو بلا کتاب و بلا دین تھے۔ تاہم وہ بھی اپنی ملی اور قومی روایات و وراثت کا سرمایہ رکھتے تھے۔

دینِ ابراہیمی کے ماننے والے عربوں کے علاوہ یہود و نصاریٰ دو بڑی مذہبی قومیں اور ملی اکائیاں تھیں۔ ان کے مذاہب بالترتیب یہودیت اور نصرانیت تھے۔ جو ان کے دو رسولانِ کریم حضرات

موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے لائے ہوئے تھے، اگرچہ ان کے قریب ترین پیغمبر ایک ایک خاص شریعت و طریقت لائے تھے اور وہ دونوں قومیں ان کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتی تھیں، تاہم ان کا دینی سرچشمہ دینِ ابراہیمی ہی تھا، جو بنیادی دین، اصل ملّت، صحیح طریقہ اور بہترین وعظیم ترین راستہ تھا۔ اور اس کا اعتراف ان دونوں مذہبی اقوام وملل کو بھی تھا، جیسا کہ قرآنِ مجید نے متعدد آیات میں ان کی جانب سے نقل کیا ہے۔

قرآنِ مجید نے اصلاً اور رسولِ اکرم ﷺ نے عملاً دینِ ابراہیمی کی طرف ہی دعوت دی تھی، کیونکہ وہ تمام بڑی مذہبی قوموں کا متفقہ دین اور بنیادی سرچشمہ تھا۔ ان کے اپنے خاص نام رکھنے والے ادیان اسی کی شاخیں تھیں۔ قرآنِ مجید کی دعوت اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں تمام مذہبی اقوام اور ملتوں کو ان کے اپنے اصلی دین کی طرف پلٹ آنے کی پکار موجود تھی، اور وہ ان کے دینی شعور، مذہبی فکر، ملّی ادراک اور فطری ساخت سے پوری ہم آہنگ اور ہم آمیز تھی۔ اسی ''کلمۂ واحدہ'' کی طرف بلانے میں بڑی حکمت پوشیدہ تھی کہ پیغامِ محمدی اور دینِ محمدی کچھ اور نہیں بلکہ وہ سب کا اپنا اصلی دین ہے۔

اصل دینِ ابراہیمی کے ماننے والوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے رسولوں کی تعلیمات میں خرافات ملا دی تھیں۔ یہودی ہوں یا عیسائی، عرب ہوں یا عجم سب نے فکر وعقیدے میں اوہام کی آمیزش کی، اعمال وارکان کی صورت مسخ کی یا ان میں قطع وبرید کی، اخلاق وحقوق العباد میں افراط وتفریط سے کام لیا، سماجی، معاشی، تہذیبی اور دوسرے تمام انسانی دائروں میں تجاوزات کئے۔ بہت سی خرابیاں پیدا کردیں اور قانونِ بعثت کو ان ہی نے تحریک دی، لہٰذا آخری رسولِ اسلام علیہ السلام کی بعثت ہوئی کہ اب انسانیت کا مجموعی ادراکْ وشعور ایک آخری ابدی اور آفاقی نبوت کا تحمّل کرنے پر قادر ہوگیا تھا۔ اور آپ بالآخر خیر کو شر پر غالب کرنے آ گئے۔

## دینِ ابراہیمی کا بقیہ نقیہ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (احمد بن عبد الرحیم فاروقی، ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/ ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء۔ ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ/ ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء) نے اپنی شاہکار تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں اس موضوع پر ایک بہت عمدہ بلکہ بے مثال اور حقیقت افروز بحث لکھی ہے۔ وہ رسولوں کی بعثت کے مقاصد سے بھی بحث کرتی ہے اور ان کے اصلاحی کام کی نوعیت سے بھی۔ عمومی بحث ونظر کے علاوہ اس فصلِ خاص میں حضرت شاہ صاحب نے رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت اور کارِ نبوت سے زیادہ تعلق رکھا ہے کہ عرب قوم کے دینی پس منظر میں اسلام کے آخری اظہار کو پیش منظر بنا دیا ہے۔ اس فصل کا عنوان ہی بصیرت افروز ہے، باب ما کان علیہ حال اھل

الجاھلیۃ فاصلحہ النبی ﷺ'' وہ باب جس پر اہلِ جاہلیت کا حال تھا اور نبی نے اس کی اصلاح فرمائی'' شاہ صاحب کی اس بحث میں کتاب وسنت اور سیرت وتاریخ سے جا بجا اضافے اور تائیدی شہادتیں بھی فراہم کردی گئی ہیں یا بعض تعلیقات بھی پیش کردی گئی ہیں، تاکہ ایک ہی جگہ یہ بحث مکمل ہو جائے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ بحث کا آغاز اس حکیمانہ نکتے سے کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ حنفی اور دینِ ابراہیمی واسماعیلی کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ احادیثِ نبوی میں اسی کو الملۃ الحنیفیۃ السمحۃ جیسے ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس میں ''الاسماعیلیۃ'' کا اضافہ ایک خاص مقصد سے فرمایا ہے کہ عرب نسل اسماعیل سے تھے، لہٰذا وہ ان کا اپنا آبائی دین اور قومی مذہب تھا، کیونکہ یہود ونصاریٰ وغیرہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی شاخ سے تعلق رکھنے کے سبب اپنے کو مختلف سمجھتے تھے۔ بہرکیف وہ ملتِ اسماعیلی ہو یا ملت اسحاقی اصلاً دونوں ملتِ حنفی ابراہیمی تھیں، کیونکہ ان دونوں کا سرچشمہ بھی وہی ایک بنیادی ملت تھی۔ مقصدِ بعثت یہ تھا کہ عربوں نے جو اصل دینِ اسماعیلی ابراہیمی حنفی میں کجی پیدا کردی تھی اور اس میں جو تحریف داخل کردی تھی اس کو دور کیا جائے اور اصل ملتِ حنفی کے نور کو عام کیا جائے (۱۹)۔ شاہ صاحب نے اس کے بعد ایک اصولی بات یہ لکھی ہے کہ جب کسی رسول کو مبعوث کیا جاتا ہے تو اس کی ملت کے اصول مسلم اور اس کی سنتیں (طریقے) مقرر ہوتے ہیں، لہٰذا نبی مبعوث کی قوم میں اگر کوئی صحیح سنت باقی ہوتی ہے تو اس کو بدلنے یا تبدیل کرنے کے کوئی معنی نہیں بلکہ واجب یہ ہو جاتا ہے کہ اس کو باقی ومقرر رکھا جائے، کیونکہ وہ ان کے نفوس سے میل کھاتی ہیں اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ بنواسماعیل نے اپنے والد مکرم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سنت و طریقہ اور منہاج وراثت میں پایا تھا۔ وہ اس شریعت پر مدتوں قائم وعامل بھی رہے۔ تاآنکہ عمرو بن لحی نامی شخص نے اس شریعتِ حنفیہ میں اپنی غلط رائے سے بہت سی چیزیں داخل کردیں، وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی بدراہ کرنے کا سبب بن گیا۔ اسی نے بتوں کی پوجا شروع کی اور بہت سے جاہلی طریقے رائج کیے، جن کا ذکر کرکے شاہ صاحبؒ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس طرح اس شخص نے دین کو باطل کردیا اور صحیح کو فاسد سے خلط ملط کردیا، اور بنو اسماعیل پر جہالت، شرک اور کفر غالب آگیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ ان کی کجی کو سیدھا کریں اور ان کے فساد کی اصلاح کریں۔

ولما کان الامر علی ذلک وجب ان تکون اصول تلک الملۃ مسلمۃ و سننھا مقررۃ، اذ النبی اذا بعث الی قوم فیھم بقیۃ سنۃ راشدۃ فلا معنی لتغییرھا و تبدیلھا، بل الواجب

تقریرها، لانه اطوع لنفوسهم واثبت عند الاحتجاج عليهم، وكان بنو اسماعيل توارثوا منهاج ابيهم اسماعيل فكانوا على تلك الشريعة الى ان وجد عمرو بن لحى فادخل فيها اشياء برأيه الكاسد، فضل واضل، وشرع عبادة الاوثان وسيب السوائب و بحر البحائر، فهنا لك بطل الدين واختلط الصحيح بالفاسد، وغلب عليهم الجهل والشرک والكفر، فبعث الله سيدنا محمدا صلى الله عليه وسلم مقيما لعوجهم ومصلحا لفسادهم(۲۰)

ہماری روایاتِ سیرت وتاریخ میں بالعموم بنوخزاعہ کے سردار، حرمِ مکہ کے متولی، کعبے کے کلید بردار اور حاکمِ قوم عمرو بن لحی خزاعی کو بت پرستی شروع کرنے کا مجرم قرار دیا جاتا ہے اور بعض دوسرے جرائم بھی اس کے کھاتے میں لکھے اور ثبت کئے گئے ہیں۔اس مفسدِ قوم اور برباد کنندۂ دین کا زمانہ لگ بھگ تین سو سال قبل متعین کیا جاتا ہے یعنی بعثتِ نبویؐ سے تین سو سال قبل۔(چوتھی صدی عیسوی میں)۔بلاشبہ یہ روایت متواتر بن چکی ہے اور اس میں صداقت بھی پائی جاتی ہے لیکن دینی گمراہی کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ کسی ایک فرد کی انفرادی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہوتی، بلکہ بہت سے افراد اور اشخاص کے علاوہ مختلف طبقات کی بھی نالائقیاں کارگزاری کرتی ہیں۔ان کے علاوہ دوسرے قومی اور تاریخی وجوہ بھی ہوتی ہیں۔

## فکرِ ولی اللّٰہی کا تجزیہ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے رسولِ اکرم ﷺ کے کارِ اصلاح کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ان (بنو اسماعیل) کی شریعت پر غور فرمایا۔اور اس میں سے جو چیز حضرت اسماعیل علیہ السلام کے منہاج کے موافق تھی یا جن شعائرِ الٰہی کو اصل حالت میں پایا ان کو باقی رکھا اور اس میں جو تحریف یا خرابی آ گئی تھی یا جو شرک وکفر کے شعائر مل گئے تھے ان کو باطل فرما دیا، اور نہ صرف باطل فرمایا بلکہ اُن کی خرابی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔اور ان کے جو امور، عادات وغیرہ کے قبیل سے تھے تو ان کے آداب ومکروہات کو واضح فرمایا تاکہ غلط رسوم سے بچا جائے۔آپ ﷺ نے فاسد رسوم کو ممنوع قرار دیا اور نیک اور اچھی رسوم کا حکم دیا، یعنی باقی رکھا۔اسی طرح جو اصل مسئلہ یا عملی معاملہ تھا اور زمانۂ فترۃ میں متروک ہو گیا تھا تو اس کو تروتازہ کر کے دوبارہ رائج کیا۔اور اسے اُس کی اصل حالت کے ساتھ رواج دیا۔اس کارِ اصلاح سے اللہ کی نعمت پوری ہوگئی اور اس کا دین صحیح خطوط پر قائم ودائم ہوگیا۔(۲۱)

جاہلی عربوں کے عقائد واعمال اور ان کے دینِ حنیفی براہیمی سے ربط ورشتے سے شاہ صاحبؒ کی بحث کے نکات کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے، تاکہ ان کے دینی پس منظر سے صحیح آگاہی ہو جائے۔

# عقائد

۱۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جاہلی عرب انبیاء کی بعثت، اعمال کے بدلے، اور نیکی کی قسموں کے اصول سے واقف تھے۔ان میں دو طرح کے لوگ تھے۔ایک فاسقوں، زندیقوں کا گروہ تھا جو بہیمی اعمال اور جانوروں کی زندگی کے خوگر بن گئے تھے، اور اپنی نفسانی خواہشات اور بے دینی کے سبب ملتِ حنفی کے خلاف کام کرتے تھے، ایسے لوگ عملاً ملت سے خارج تھے۔ دوسرے جاہلوں، غافلوں کا گروہ تھا جو دین سے ناواقف تھے اور اصل دین جاننا ہی نہیں چاہتے تھے۔قریش اور ان کے قرب و جوار کے لوگوں کا یہی حال تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا زمانہ انبیاء سے کافی دور ہو گیا اور ان کو کوئی باخبر کرنے والا بھی آگاہ نہیں کرنے آیا تھا، البتہ وہ صحیح راستے سے بالکل ہی نہیں بھٹک گئے تھے اور بہت سے اصول و اعمال کے قائل اور ان پر عامل بھی تھے۔

۲۔ جاہلی عرب آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کی تمام اشیا کا خالق صرف اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور تمام بڑے بڑے امور کی تدبیر میں وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں سمجھتے تھے۔اس کے ثبوت میں حضرت شاہؒ نے متعدد قرآنی آیات نقل کی ہیں۔

۳۔اُن کی زندیقی یہ تھی کہ وہ ملائکہ اور ارواح میں سے کچھ ''اشخاص'' کو اہلِ زمین کے معاملات کی دیکھ بھال اور تدبیر کا مالک سمجھتے تھے۔

۴۔اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی چیزوں میں تنزیہ کرتے تھے، مگر اسی کے ساتھ ملائکہ کو اللہ کی لڑکیاں اور سفارشی بھی کہتے تھے۔

۵۔جاہلی عرب تقدیرِ الٰہی کے ماننے والے تھے اور اپنے خطبات واشعار میں اس کا ذکر کرتے تھے

۶۔وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جن چیزوں کی چاہے پابندی کرنے کو کہے (یعنی تکلیف العباد کے قائل تھے) اور حرام وحلال کرنے کے ربانی حق کو بھی تسلیم کرتے تھے اور بندوں کو اچھے کاموں کی جزا اور برے کاموں کی سزا دینے کے حق کو بھی مانتے تھے۔

۷۔ملائکہ کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ حضرتِ الٰہی کے مقرب بندے ہیں، مملکتِ ربانی کے اکابر ہیں، عالم کی تدبیر کرنے والے ہیں اور وہ ایسا اللہ تعالیٰ کے امر و اذن سے ہی کرتے ہیں۔نہ کھاتے ہیں نہ پیتے اور نہ ہی نافرمانی کرتے ہیں۔ وہ بہترین انسانوں کے سامنے آتے ہیں اور ان کو بشارت دیتے ہیں یا باخبر کرتے ہیں اور وہ اللہ کے حکم سے وحی لاتے ہیں۔عرب جاہلی اشعار میں ملاء اعلیٰ،

حاملین عرشِ الٰہی وغیرہ کا خوب ذکر ملتا ہے۔شاہ صاحبؒ نے اس کی کافی تفصیل دی ہے۔

۸۔جاہلی عرب ادارۂ رسالت اور پیغمبروں پر عقیدہ رکھتے تھے اور مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے اپنے بہترین بندوں کو وحی بھیجتا ہے اوران کو اپنا رسول و نبی مقرر کرتا ہے۔وہ رسولوں کی اطاعت کو بھی فرض گردانتے تھے۔

۹۔وہ فرشتوں کے ذریعے انسانی رسولوں اور بشری نبیوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کتابوں کے نازل کئے جانے پر بھی عقیدہ رکھتے تھے۔اس سے متعلق بعض دوسری ایمانیات پر بھی ان کا عقیدہ قائم تھا۔

۱۰۔وہ معاد وآخرت کے بھی ایک لحاظ سے قائل تھے اور اسی بنا پر ان کے ہاں توحید کا تصور بھی پایا جاتا تھا، جیسا ان کے متعدد اشعار وخطبات میں ذکرِ صریح ملتا ہے۔شاہ صاحبؒ نے عقائد کے باب کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

## اعمال واحکام

حضرت شاہ صاحبؒ مشرکینِ عرب کے عقائد کے علاوہ ملتِ اسماعیلی حنفی کے بہت سے احکام واعمال ورسوم پر بھی ان کے عقیدے وعمل کو ثابت کرتے ہیں، اور شواہد ودلائل کے ساتھ اس باب کو پیش کرتے ہیں۔ذیل میں ان کے اہم نکات:

۱۔ان میں پاکی (طہارت) کا تصور وعمل دونوں موجود تھے۔پاک رہنے کو عبادت سمجھتے تھے اور غسلِ طہارت وغسلِ جنابت ان کے ہاں ایک سنت تھی جس پر ان کا پورا پورا عمل تھا۔

۲۔تمام خصالِ فطرت پر ان کا عمل تھا۔ان میں ختنے کو وہ سنتِ ابراہیمی سمجھتے تھے اور اس کو ضروری کہتے تھے۔حدیثِ نبوی میں دس امورِ طہارت کو خصالِ فطرت قرار دیا گیا ہے اور وہ ہیں۔داڑھی بڑھانا، مونچھیں کتروانا، مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈال کر صفائی کرنا، ناخن تراشنا، بدن کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بالوں اور زیر ناف بالوں کو مونڈنا، پانی سے استنجا کرنا اور سر میں صفائی کر کے مانگ نکالنا۔

۳۔وضو بھی ان جاہلی عرب میں معروف ومعمول تھا، یہودی اور مجوسی علما وعوام کے علاوہ عرب حکما کا بھی اس پر عمل تھا۔ملتِ حنفی اور دینِ ابراہیمی کے ارکان بھی جاہل عربوں میں معروف ہی نہیں زیرِ عمل بھی تھے۔اور بہرحال یہ ارکانِ اسلام تھے جو گزشتہ انبیاء بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے چلے آرہے تھے اور یہود ونصاریٰ میں موجود تھے۔حضرت شاہ نے ان کو تفصیل سے اور تاریخی شہادتوں کے ساتھ بیان کیا ہے اوران کا ذکر نکتہ وار درج ذیل ہے:

ا۔ان میں نماز موجود تھی ۔حضرت ابوذر غفاریؓ اسلام لانے سے تین سال قبل سے نماز ادا کیا کرتے تھے۔قُس بن ساعدہ ایادی ان کا مشہور خطیب وحکیم بھی نماز پڑھتا تھا۔یہودی اور مجوسی اقوام میں نماز موجود تھی۔اس پر اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث وسیرت کے مطابق قریشِ مکہ چاشت کے وقت کی روزانہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ان میں سجدے جیسے تعظیمی افعال بھی موجود تھے اور ذکر ودعا کا بھی رواج تھا۔سورۂ نجم کی تلاوت کے وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ موجود تمام اکابرِ قریش نے بھی سجدہ کیا تھا۔نماز بہرحال اسلام کا ایک رکن اعظم ہے اور وہ ان میں کسی نہ کسی صورت میں باقی تھا۔

۲۔ان میں زکوٰۃ بھی رائج تھی۔اور اس پر ان کا عمل بھی تھا۔اسی باب میں مہمانوں، مسافروں کی خاطر وتواضع، مجبوروں اور معذوروں کی امداد، مساکین ویتامیٰ پر انفاق اور راہِ حق میں خرچ کرنے کے علاوہ صلۂ رحمی بھی شامل ہے۔وہ اس کو بڑا وصف سمجھتے تھے اور اس کی تعریف وتوصیف کیا کرتے تھے۔حضرت خدیجہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اور ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صفات میں ان کو شمار کرکے ان کی توصیف کی تھی۔یہ ایک عام عرب وصف تھا۔

۳۔جاہلی عربوں میں روزہ بھی تھا جو وہ فجر سے غروبِ آفتاب تک رکھا کرتے تھے،قریش جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے۔امام بخاری وغیرہ محدثینِ کرام نے قریش کے صیامِ عاشوراء پر پورا باب باندھا ہے۔اس کا مفصل ذکر ہماری متعلقہ بحث میں آئے گا۔

۴۔مسجد میں اعتکاف کرنے کا تصور وعمل بھی ان جاہلی عربوں کے ہاں تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے زمانے میں مسجدِ حرام میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی،مگر اسے پورا نہ کرسکے اور اسلام لانے کے بعد رسول اکرم ﷺ کے حکم وفتویٰ پر اسے پورا کیا تھا۔اس پر مزید اضافہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ جاہلی عربوں میں نذر ومنت ماننے اور اسے پورا کرنے کا تصور وعمل موجود تھا۔رسول اکرم ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب بن ہاشم کی نذر کا واقعہ بہت مشہور ہے۔(۲۲)

۵۔عربوں میں مختلف قسم کے نیکی کے کاموں کے کرنے اور ان پر اجر وثواب پانے کا تصور وعمل پایا جاتا تھا۔ان میں سے ایک غلاموں کا آزاد کرنا تھا۔وہ نیکی وثواب کی خاطر ان کو آزاد کردیا کرتے تھے۔مشہور قریشی سردار عاص بن وائل سہمی نے اپنی موت کے بعد غلاموں کو آزاد کرنے کی وصیت اپنے فرزندوں کو کی تھی۔حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ نے ایک سو غلام دورِ جاہلی میں برائے ثواب آزاد کئے تھے،اس کا ذکر صحیح احادیث میں آتا ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی عربوں میں موت کے بعد نیک کام کرنے کی

وصیت کرنے کا رواج بھی پایا جاتا تھا۔

۶۔ عمرہ اور حجِ بیت اللہ ان جاہلی عربوں کا شاید سب سے زیادہ محبوب و مقبول رکن دین اور طریقہ عبادت تھا۔ بیت اللہ کا حج، اس کے شعائر کی تعظیم اور مقدس مہینوں کا احترام ان کے بنیادی معمولات و اعمال میں شامل تھے۔ تاریخی شہادت ثابت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلانِ حج کے بعد سے کبھی کسی زمانے میں عمرے و حج کا معمول ترک نہیں ہوا۔

۷۔ ان میں روزانہ طواف کا معمول بلاشبہ جاری وساری اور قائم تھا۔ اہم کام ہو یا معمولی روز مرہ کے کام، دونوں سے پہلے اور بعد میں بھی وہ خانۂ کعبہ کا طواف ضرور کرتے تھے۔ شاہ صاحبؒ کی بحث میں اس کا الگ سے ذکر نہیں ہے بلکہ شعائرِ حج میں شامل ہے۔ اس پر اضافہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ طوافِ کعبہ ان کی روزانہ عبادت کا ایک محبوب عمل تھا جسے خاص وعام سب ادا کرتے تھے۔

۸۔ جاہلی عربوں میں ذبیحہ کرکے جانوروں کا گوشت کھانے کا طریقہ رائج تھا۔ ذبیحے میں وہ حلق پر چھری پھیرتے تھے اور ''لبہ'' میں نحر (اونٹ) کرتے تھے۔ غیر ذبیحہ جانور کا گوشت حرام سمجھتے تھے اور اس سے بالعموم بچتے تھے۔

۹۔ وہ پیش گوئی، نجوم وطبیعات کے قائل تھے اور اس باب میں یہودی علما اور دوسرے دینی اکابر سے معلومات حاصل کرتے تھے۔

۱۰۔ ان میں پناہ مانگنے (تعوذ) شیطان کے مکروفریب سے محفوظ رہنے کے طریقے بھی رائج تھے۔ ان میں سے بعض انہوں نے ایجاد کرلئے تھے، مگر ان کا شعور قابلِ رشک تھا کہ وہ ان کو اصلِ دین اور ملتِ حنفی کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔

## معاشرتی رسوم

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے عربوں کے معاشرتی معاملات اور سماجی رسوم کا ذکر یکجا کیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ جاہلی عرب معاشرتی معاملات میں ایک ''سنتِ مؤکدہ'' کے قائل تھے، اور اس کے ترک کرنے پر ملامت کرتے تھے، کیونکہ وہ ان کی صالح روایات تھیں جو ان کے جدِ امجد کے زمانے سے چلی آرہی تھیں اور جدید اصطلاح کے مطابق ان کی سائیکی کا حصہ تھیں۔ ان میں کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، تہوار منانے اور مجالس برپا کرنے، عید وسالانہ تقریبات منعقد کرنے، نکاح وطلاق، عدت وسوگ، میت کی تجہیز و

تکفین کی خاص روایات شامل تھیں، اوران تمام معاملات وروایات میں وہ ملتِ ابراہیمی کے پورے پورے پابند وعامل تھے۔ کھانے پینے سے پہلے وہ اللہ کا نام لیتے تھے۔ ملاقات پر سلام کرتے تھے اور مصافحہ ومعانقہ بھی۔ لباس پہننے پر دعا دیتے تھے اور دعا کے جواب میں شکریہ ادا کرتے تھے۔ تہوار وعید پر قربانی کرتے تھے، نکاح میں خطبہ اور ایجاب وقبول اور مہر وغیرہ کا اہتمام کرتے تھے، عقیقہ وتسمیہ اور دعوت کا رواج ساتویں دن کا تھا، طلاق کو شوہر کا حق گردانتے تھے، مطلقہ کی عدت تین ماہ اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ٹھہراتے تھے۔ قبر میں لحد بناتے تھے، میّت والے اہل خانہ کے گھر غمی کے روز کھانا بھیجتے تھے۔ میّت کی تعزیت اور بیمار کی عیادت بھی کرتے تھے۔ ایسے بہت سے سماجی اور تہذیبی امور میں ان کا طریقہ ملتِ حنفی کے موافق تھا۔

۲۔ محرمات کا تصوران کے ہاں موجود تھا۔ جاہلی عرب ماں، بہن، بیٹی، بھتیجی، بھانجی وغیرہ سے نکاح حرام سمجھتے تھے۔ سوتیلی ماں سے نکاح حرام تھا، مگر جب کچھ لوگوں نے اس کی خلاف ورزی کی تو اسے ناپسندیدہ نکاح (نکاح المقت) قرار دیا۔ ایسے اشخاص قابلِ ملامت تھے اور ان کے فعلِ حرام سے عموماً برأت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ رضاعی اور متبنیٰ رشتوں کو بھی وہ مانتے تھے۔

۳۔ رضاعت کا رشتہ خون کے رشتے کی مانند مقدس ومحترم مانتے تھے اور اسی بنا پر وہ بھی محرمات کا تصور رکھتے تھے۔ رضاعی ماں باپ، بھائی بہن اور ان کی اولادیں سگے خون کے رشتہ داروں کی مانند تھیں۔

۴۔ خرید وفروخت اور لین دین کے دوسرے معاملات میں وہ ملتِ حنفی کے اکثر قواعد کی پابندی کرتے تھے۔

۵۔ حدود وتعزیرات کا تصور وعمل جاہلی عربوں میں موجود تھا۔ ظلم وجبر اور مظالم کے دفعیہ کے لئے وہ قصاص ودیت کے قواعد وضوابط کو سختی سے نافذ کرتے تھے۔ زنا، چوری، لوٹ مار، ڈاکہ زنی پر وہ سزائیں دیتے تھے۔

۶۔ مالی معاملات میں وہ سود اور ربا کے مرتکب ہو گئے تھے مگر اس کو بہت پسند نہیں کرتے تھے۔ بالعموم معاملات میں وہ سادہ، سچے اور کھرے تھے۔

۷۔ ان میں بہت سی سماجی صفات بھی تھیں، جیسے وہ جھوٹ بولنا حرام سمجھتے تھے اور جھوٹ بالکل نہیں بولتے تھے، کسی پر جھوٹ بولنے کا شبہ ہو جائے تو اسے سرزنش کرتے تھے۔ ان میں سچائی یا سچ بولنا اس کے مقابلے میں بہت بڑی نیکی تھی۔ وہ امانت دار اور دیانت دار بھی تھے اور وعدے اور قول کے پکے بھی۔ دراصل ان میں اخلاق وفضائل کا احترام وعمل موجود تھا۔ اور رذائلِ اخلاق سے طبعاً متنفر تھے۔ ان کے دوسرے

اوصاف کا ذکر بہت سی روایات و احادیث میں بھی آتا ہے۔شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان میں اور بھی بعض چیزیں موجود ہیں مگر ان کا ذکر چھوڑا جاتا ہے۔تفصیل کے لئے متعلقہ بحث ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔(۲۳)

ملتِ ابراہیمی سے جاہلی عربوں کے رشتے وربط پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور دوسرے اسلامی مفکرین نے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ قریشِ مکہ تک میں بہت سے عقائد وافکار مبہم، خبط اور محرف ہوگئے تھے۔انہوں نے اعمال وارکانِ دین میں بھی بہت سی بدعات وخرافات اور انحرافات شامل کردی تھیں۔سماجی اخلاق ومعاشرتی اصول میں بھی پراگندگی آ گئی تھی۔

بہت سے سیرت نگاروں، مؤرخوں، مصنفوں، مفکروں اور دوسرے اہلِ علم وقلم نے تو صرف جاہلی انحرافات پر خامہ فرسائی کی ہے۔(۲۴) تاہم عرب جاہلی قبائل اپنے آپ کو دینِ ابراہیمی کا پیرو کہتے اور سمجھتے تھے اور ان میں بلاشبہ بہت سے صحیح عقائد واعمال موجود بھی تھے۔

## شخصی اور تمدنی پس منظر

حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کی ولادتِ باسعادت ۱۲؍ربیع الاول، عام الفیل مطابق ۲۰؍اپریل ۵۷۱ء کو اسی ملتِ ابراہیمی حنفی ماننے والے قریش کے ایک معزز ترین خاندان بنو ہاشم میں ہوئی۔چالیس برسوں پر محیط ایک طویل اور بامعنی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی پیروانِ ملتِ ابراہیمی کے درمیان بسر کی۔۵۷۱ء سے ۶۱۰ء تک کے مکی دور میں جو بقولِ قرآنِ مجید حیاتِ شہادت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد اکابرِ قریش کو نہ صرف دیکھا، پرکھا بلکہ انہی سے سیکھا اور سمجھا۔آپ ﷺ کے بچپن، لڑکپن، جوانی اور ادھیڑ عمری کے کردار ساز وشخصیت آفریں زمانے میں بہت سے غیر قریشی پیروانِ ملتِ ابراہیمی نے بھی مکہ میں، مکہ کے باہر علاقہ ثقیف، مدینہ/یثرب وغیرہ میں آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت میں حصہ لیا۔تجارتی اسفار، معاشرتی معاملات، مذہبی شعائر، دینی رجحانات اور دوسرے متعدد عوامل وعناصر نے آپ ﷺ کو ملتِ ابراہیمی کی دو ذیلی شاخوں۔مذہبِ موسیٰ اور دینِ عیسیٰ علیہما السلام سے بھی متعارف کیا۔ایک ذہین وفطین، صالح افکار واعمال کی حامل اور عظیم وجلیل شخصیت نے اپنے ابتدائی شخصیت ساز دور کے تمام عمدہ اثرات قبول کئے۔

سیرت وتاریخ، حدیث وقرآن، عرب وعجمی روایات حتیٰ کہ دشمنوں کی شہادت کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاہلی معاشرے کے بہترین نوجوان اور انتہائی پارسا وپاکباز شخص تھے اور قابلِ رشک کردار اور فضائل اخلاق کے پیکرِ عالی تھے۔آپ ﷺ کی شخصیت میں نہ کوئی جھول تھا اور نہ

کردار پر کوئی داغ، ایسی عظیم و بے مثال شخصیت جو سب کی آنکھوں کی تارا تھی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت وتوجہ کے سبب آپ ﷺ کو درجہ عصمت اور مقام حفاظت پر شروع ہی سے فائز کیا گیا تھا، تاہم یہ بھی ایک زمینی حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاہلی معاشرے کی صالح روایات اور عظیم اقدار کے بھی حامل تھے۔آپ ﷺ کی اسی عظیم وجلیل اور بے داغ شخصیت کو قرآن مجید نے آپ کی نبوت و رسالت پر شہادت وگواہی بنایا تھا

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ (۲۵)

میں تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک عمر گزار چکا ہوں۔

دورِ جاہلی کی زندگی دراصل انہی صالح اقدار ملتِ حنفی کی دَین تھی۔

بلا ریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی اور نہ تھا، تاہم اسی عرب معاشرے کی جاہلی اقدار و روایات نے بعض دوسری عظیم وجلیل ہستیاں آپ ﷺ پہلے بھی پیدا کی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے،شہر اور معاشرے میں بھی جنم دی تھیں۔ مدتوں پہلے ابنِ ابی کبشہ کا نام وعرف صالحیت، نیک چلنی، خدا پرستی اور تقویٰ وطہارت کا نشانِ امتیاز بن گیا تھا۔ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے ایک جدامجد ہوتے تھے اور بت پرستی، صنم پرستی اور خرافات پرستی کے خلاف مذہبی ردعمل کی ایک علامت بن گئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اصل دینِ حنیف کی دعوت دی تو حدیثِ نبوی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ کے معاصرین نے اسی نام وعرفیت سے پکارا، محض اس لئے کہ آپ کے کام اور کارِ اصلاح میں گزشتہ بزرگ کی اصلاح کا ایک شائبہ پایا جاتا تھا، ورنہ محمدی کارِ نبوت سے ابنِ ابی کبشہ کو کیا نسبت؟ جاہلی مصلح کی روش خالص وجدانی تھی اور رسولِ اکرم ﷺ کی یقینی علمِ وحی پر مبنی۔(۲۶)

حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر پیشرووٴں میں عربوں کے انحرافات کے خلاف ردِعمل کی تحریکِ حنیفیت اور اس کے بلند کردار علم بردار احناف کی مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے۔امیہ بن ابی الصلت ثقفی، عثمان بن الحویرث اسدی، ورقہ بن نوفل اسدیؓ، عبیداللہ بن جحش اسدی خزیمی، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ اور متعدد حضرات نے دینِ حنیف کی طرف رجوع کیا تھا اور قریشی یا عرب خرافات کو تج دیا تھا۔ان میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ کا کردار اور شخصیت عظیم ترین مثال تھی۔آپ ﷺ کے معاصرین، احباب، صحابہؓ، احبا، اصدقا اور دوسرے ہم عصروں میں متعدد ایسی عظیم شخصیات تھیں جو اعلیٰ کردار کی مالک تھیں، فضائلِ اخلاق سے آراستہ تھیں، بت پرستی اور اوہام پرستی سے دور تھیں، شراب و کباب

کی زندگی سے محفوظ تھیں۔ اور وہ جوانانِ عرب صرف قریش، صرف مکہ، صرف شہرِ حرام کے باسی اور فرزند نہ تھے، ان میں بہت سے کاملین، امین، اکملین اور بلند درجات کے مالکین متعدد بلادِ عرب سے تعلق رکھتے تھے، اور وہ سب اسی جاہلی عرب معاشرے کی مٹی سے اُٹھے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ابتدائی چالیس سالہ زندگی نبوی دورِ حیات کا دراصل ایک حسین و ارفع دیباچہ ہے۔ اس دورِ تعمیرِ شخصیت میں آپ نے اپنے بزرگوں، مرّبیوں، محسنوں اور خاندان والوں کے علاوہ متعدد دوسرے صاحبانِ علم و بصیرت کے مشاہدات، تجربات، اور معلومات سے کسبِ فیض کیا تھا۔ ان کے دینی رجحانات، مذہبی میلانات اور روحانی اضطرابات کے جاں گسل تجربے سے آگاہی حاصل کی تھی۔ ان کے تبصروں، تجزیوں اور جائزوں سے روشناسی پائی تھی۔ اور ان کی بنیاد و نہاد پر آپ ﷺ کے ذہنِ عالی، روحِ سامی، مزاجِ گرامی، سیرتِ مطہرہ اور قلبِ منزہ نے اضافے کئے تھے۔

بلاشبہ بقولِ قرآنِ مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب و ایمان کا کماحقہٗ پتہ نہ تھا:

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۷)

تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان، پر ہم نے رکھی ہے یہ روشنی، اس سے راہ دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں، اور تو البتہ سجھاتا ہے سیدھی راہ۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت و رسالت کے فیضان سے بھی اس دور میں سرفراز و فیض یاب نہ ہوئے تھے اور نہ ہی اس کا امکان تھا۔ تاہم آپ ﷺ کی فطرتِ مطہرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر معاملے میں ضروری رہنمائی کی، اور آپ ﷺ کو خیر و شر کا شعور بخشا، بہت سے دینی معاملات، مذہبی شعائر، روحانی معاملات میں آپ کی روش اپنے معاشرے کے عام رجحان کے خلاف تھی۔ اسی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کچھ دوسروں کے تجربات نے اور کچھ آپ کی فطرتِ سلیم نے آپ ﷺ کو دینِ حنیف کی صحیح اقدار و اعمال کا ایک شعور و ادراک عطا کیا تھا۔ قریشی اور جاہلی انحرافات سے نفرت و بیزاری اور کنارہ کشی کی صلاحیت عطا کی تھی۔

سیرتی روایات، تاریخی شواہد، حدیثی آثار اور قرآنی علائم واضح و ثابت کرتے ہیں کہ حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بت پرستی نہیں کی، بلکہ اس سے شدید نفرت تھی اور اس کا اظہار بھی آپ ﷺ کے قول و عمل سے برابر ہوتا رہا۔ آپ نے بتوں کا چڑھاوا نہیں کھایا، ان کی تمام خرافات سے

علیحدگی اختیار کی اور ملتِ ابراہیمی کے منافی اعمال و رسوم سے کلی اجتناب کیا۔ دوسری طرف ملتِ حنفی ابراہیمی کی صالح روایات و اعمال و رسوم کی پابندی اور پاسداری بھی کی خواہ وہ روشِ قوم کے خلاف ہو۔ آپ ﷺ کا تحنث (تعبد، طریقۂ عبادت و مراقبہ) ایک معروف حقیقت ہے، طواف و عمرہ و حج ثابت ہے، جاہلی دور میں آپ ﷺ اپنی قومی روایت کے برخلاف عرفات کا وقوف بھی فرمایا کرتے تھے۔ نماز و روزۂ عاشوراء کا معمول بھی تھا، اور صدقہ و انفاق کا عمل بھی ثابت ہے۔ صحیح دینِ ابراہیمی کی صحیح روایات و اعمال کی اس دورِ جاہلیت میں پاسداریٔ محمدی کہاں سے آئی تھی؟ وہ اسی جاہلی معاشرے کی صالح دین تھی۔

## مکّی اسلام اور بعثتِ نبوی کا آغاز

دوشنبہ ۱۲؍ ربیع الاول ۴۱ محمدی کو عمرِ شریف چالیس برس ایک دن کی ہوئی تھی کہ نبوت آ گئی۔ اوّلین وحیٔ الٰہی رویاءِ صالحہ یا سچے خوابوں کی صورت میں ہویدا ہوئی۔ حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی اللہ تعالیٰ کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بن گئے۔ رویائے صادقہ کے ساتھ ساتھ ندائے ہاتف کا تجربہ ہوا۔ ان غیبی آوازوں نے رویائے صالحہ کے ساتھ مل کر دوسرا روحانی تجربہ عطا کیا۔ مادی جسم و جان کا روحانی جسم و جان سے رابطہ مستحکم ہوا اور عالمِ شہادت نے عالمِ غیب پر گواہی ثبت کی۔ شجر و حجر کے سلام نے ایک ایسی قوتِ ناطقہ کا شعور عطا کیا جو آلات و وسائل اور جوارح و اعضا کی احتیاج نہیں رکھتی۔ فرشتوں کے حضور و حاضری اور دید و دیدار نے آسمانی مخلوقات سے تعارف و روشناسی عطا کی اور غیب کو شہود بنا دیا۔ اور ملائکہ کی سفارت کے ذریعے براہِ راست مالک و خالق سے ربط و تعلق، ابلاغ و ترسیل اور وحی و الہام کا رابطہ قائم کر دیا۔ طبری کی ایک اہم روایت ہے:

> اتی جبریل رسول الله صلی الله علیه وسلم اول ما اتاه لیلة السبت ولیلة الاحد، ثم ظهر له برسالة الله عزوجل یوم الاثنین...... وکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم الاثنین، یوم اوحی الیه، اربعون سنة(۲۸)

نجی تجربات، شخصی مکاشفات اور انفرادی تحیّرات کا مقصد دل و دماغِ نبوی کو مضبوط و مستحکم کرنا تھا۔ ایمان و ایقان تو اول روز سے تھا کہ قلبِ نبوی، ذہنِ محمدی اور روحِ رسولی میں شک و شبہ اور اضطراب کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ رویائے صادقہ خواب میں دیکھتے تو جاگتے میں وہ سچا واقعہ بن جاتا، خواب حقیقت بن جاتا، تعبیر مجسّم و متشکل ہو جاتی۔ جمادات کی تسلیم و تحیات، تصدیق پاک باطن اور مومن قلب کے

مالک قریب ودور کے عزیزوں نے بھی کی کہ تجربہ صادق وامین کا تھا، غلط وجھوٹ کیسے ہوسکتا تھا! شخصیتِ عالی کے صدق وصفا، پاک طینتی اور منزہ فطرتی نے غیروں تک کو یقین سے مالا مال کردیا تھا۔ اوّلین مدتِ تعمیرِ نبوت چھ ماہ بعد تمام ہوئی تو براہِ راست قرآنِ مجید کی ترسیل کا وقت آ گیا کہ قلبِ محمدی اس کی سہار کے قابل بن چکا تھا۔ قانونِ الٰہی کے مطابق اس کا آغاز بھی رویائے صادقہ کی صورت میں غارِ حرا میں ہوا۔ خواب ہی میں آیاتِ الٰہی سینۂ مبارک میں ثبت ہوگئیں۔ ابھی بیداری ہوئی ہی تھی اور سینۂ محمدی میں کلامِ الٰہی کی گونج موجود تھی کہ الٰہی فرشتۂ وحی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسی کلامِ الٰہی کو کانوں اور آنکھوں کے راستے شعور وادراک کے سفینے میں اتار دیا۔ کلامِ الٰہی کی ترسیل خواب کے دائرے سے اُچھل کر عالمِ ہوشیاری میں آ گئی اور حقیقتِ وحی بن گئی۔

شبِ قدر (لیلۃ القدر) کی آخری ساعتوں میں رویائے صادقہ اور عالمِ بیداری میں تنزیلِ قرآنِ حکیم کی تاریخ ۲۷؍رمضان ۱۴؍محمدی ہے جو ہمارے مروجہ عیسائی کیلنڈر کے مطابق سن ۶۱۰ء کے اواخر کی کسی تاریخ سے مطابقت رکھتی بتائی جاسکتی ہے۔ ایک دوسرے قانونِ الٰہی کے مطابق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ مجید کلامِ الٰہی کی تنزیل بھی تدریجی طور سے ہوتی رہی۔ وحیِ الٰہی کا سلسلہ کامل تیئس سال تک جاری رہا جس کے اولین چھ ماہ یا اولین ششماہی میں صرف رویائے صادقہ کا دور رہا، اسی لئے اس اولین ششماہی کے دور کی نسبت سے رویائے صادقہ کو نبوت کا چھیالیسواں جز کہا جاتا ہے۔

**عن عبادة بن الصامت عن النبی صلی الله علیه وسلم قال رویأ المومن جزء من ستة واربعین جزأمن النبوة(۲۹)**

روایاتِ سیرت وتاریخ میں وضاحت آتی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین تنزیلِ قرآنی کے معاً بعد پہلا اسلامی حکم ملا۔ آپ ﷺ ابھی پہاڑ کی اونچائی سے اتر ہی رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے سامنے بصورتِ بشری ہویدا ہوئے، اور آپ کو وضو سکھایا اور پھر نماز کی تعلیم دی۔ یہ اوّلین دو احکامِ الٰہی آپ ﷺ کو عطا ہوئے۔ تفصیلات اپنے اپنے ابواب ومباحث میں آئیں گی، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو قرآنِ مجید اور کلامِ الٰہی کی اولین آیاتِ کریمہ کے عطا کرنے کے بعد ان کے شکرانے میں فرض وحکم کی تعمیل کرنے کا پہلا سبق باقاعدہ سکھایا گیا۔

مکی احکام کا آغاز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست واسطے کے معاً بعد ہوگیا۔ یہ عبد ومعبود کا رشتہ ہے۔ معبود نے فرمان سے سرفراز اور کلام سے سرخرو کیا اور معاً بندے (عبد) سے

عبادتِ معبود کا حق ادا کرنے کا حکم بھیجا، طہارتِ بدنی سے ابتدا کی اور طہارتِ روحانی سے اسے جا ملایا۔ اس حقیقت سے یہ واضح کیا کہ طہارتِ جسم و روح دونوں مقصود ہیں۔ ابھی رسالت وتبلیغ کا کام شروع نہیں ہوا تھا مگر وحی نبوت کا دیباچہ اسی کا تھا۔ یہ خالص ذاتِ محمدی کے لئے حکم تھا مگر گھر آتے ہی اپنی اہلیہ محترمہ کو بھی رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طہارتِ بدنی و روحانی کا طریقہ وحکم سکھایا اور بعد میں قومِ رسول ﷺ نے اس کی تعمیل کی۔ مکی احکام کا یہ آغاز بلکہ نقطۂ آغاز ہے اور پورے تیرہ سالہ مکی دورِ نبوی میں ان احکام دین وشریعت کا ایک سلسلۂ زریں ہے جو دینِ حنفی ابراہیمی کی تکمیل اور آفاقی وابدی دین وشریعتِ محمدی کی عملی صورت گری ہے/اور اسی سے تمام اسلامیانِ مکہ بندھے ہوئے تھے۔

تمام اسلامی مآخذ قرآنِ کریم، حدیث وسنتِ نبویؐ، سیرتِ طیبہ، تاریخ اسلامی اور فقہِ دینی سے بلا ریب وشک ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے مکی دورِ مبارک میں اسلامی احکام کا ارتقا برابر ہوتا رہا۔ منطقی طور سے بھی یہ مسلّم امر ہے کہ اسلام کے اولین دورِ ارتقا میں دینی احکام اور شرعی اعمال کی صورت پذیری ضروری ہو۔ کیونکہ یہ ایک لمحے کے لئے بھی سوچا نہیں جا سکتا کہ وہ دین ومذہب اور ملت وشریعت، جو آفاقی، عالمی، آخری اور ابدی ہونے کی دعویدار ہے، اس کے قانونی، سماجی، معاشرتی، اقتصادی، تہذیبی اور سب سے بڑھ کر دینی احکام واعمال کا ارتقا اولین نصفِ حیاتِ نبوی میں نہیں ہوا یا نہیں ہو سکتا محض اس بنا پر کہ مکہ مکرمہ میں اسلام ایک اقلیتی دین تھا اور مسلمان ایک اقلیتی آبادی، لہٰذا اس کے احکام وقوانین اور ضوابط وقواعد کے ارتقا کا امکان تھا، نہ وجود، یہ ایک خیالِ باطل اور فکرِ فاسد کے سوا اور کچھ نہیں۔

دراصل احکام وقوانین کو دورِ غلبہ وحکمرانی کا زائیدہ سمجھ لینا ہی فکرِ خام ہے جو مکی اسلام کی حقیقت سے ناواقفیت کے سبب ان گنت دماغوں میں رچ بس گئی ہے، بلاشبہ مدنی حیاتِ طیبہ کے اپنے تقاضے، اپنے عوامل اور اپنے حالات تھے جن میں خاص احکام وجود میں آئے۔ اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکی دورِ حیات کے خاص حالات بھی تھے اور اپنے خاص عوامل وعناصر بھی، اور ان کا تقاضا تھا کہ ان کے موافق اسلامی احکام ظہور پذیر ہوں۔ منطقی وعقلی استدلال کو تاریخی شواہد وحقائق صحیح، حقیقت پر مبنی اور تاریخی واقعیت بتاتے ہیں کہ اس دور میں اسلامی احکام کا نزول ونفاذ ہوا۔ اور ان میں سے کچھ فقہِ اقلیت کے زمرے سے بھی تعلق رکھتے تھے

اسلام کو آفاقی دین اور آخری مذہب اور تمام شریعتوں کا جامع قرار دینے کا واحد مطلب یہ ہے کہ اس کے بہت سے قوانین، احکام، ضوابط اور قواعد واصول زمان ومکان کی حد بندیوں سے پرے، آفاقی اور ابدی ہیں۔ اسلام خواہ دورِ اقلیت میں سانس لے رہا ہو یا عہدِ حکمرانی میں فرماں روائی کر رہا ہو اپنے انہی

آفاقی، ابدی اور مستقل احکام وقوانین کی بنا پر آخری دین اور کامل شریعت اور عالمی ضابطۂ حیات بن سکتا ہے اور حقیقت میں ہے بھی۔ مکی دورِ حیاتِ نبوی میں اسی بنا پر کچھ فقہی اقلیت کے ضابطے تھے مگر بہت سے بلکہ بیشتر آفاقی اور عالمی وابدی عقائد واحکام واعمال بھی تھے۔

## طریق بحث

اصل موضوع پر بحث ومباحثہ کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مطالعے کے منہج و طریق پر ایک مختصر معروضہ اہلِ علم، صاحبانِ فکر اور اصحابِ تحقیق کی خدمتِ عالی میں پیش کر دیا جائے، تا کہ افہام وتفہیم میں آسانی ہو۔ چونکہ ہماری بحث اور ہمارے موضوع کا انداز دینی بھی ہے اور قانونی بھی اور اس کے ارتقا کا زاویہ تاریخی وتہذیبی بھی ہے، اس لئے اس مطالعے میں ان تمام پہلوؤں، زاویوں اور منظروں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور ذیل میں اس کی کچھ تفصیل دی جا رہی ہے۔

ہمارے اسلامی نقطۂ نظر سے دینِ اسلام کا ارتقا ہو یا شریعت وقانونِ اسلامی کا، گزشتہ اسلامی ملتوں اور شریعتوں سے پیوستہ ہے، اور اپنے عصری تقاضوں سے وابستہ بھی اور اسی کے ساتھ مستقبل کے تمام زمان ومکان کی ضروریات سے ہم آہنگ بھی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتِ ابراہیمی حنفی کے عرب قریشی پس منظر میں اپنا دینی کام اور شریعت سازی کا فریضہ انجام دیا تھا، لہٰذا بہت سے احکام وضوابطِ اسلامی جو عرب پس منظر میں موجود تھے، اسلامی شریعت کے پیش منظر میں بھی جوں کے توں باقی رہے یا ترمیم وتنسیخ اور اصلاح کے ذریعے اسلامی مکی شریعت کا حصہ بن گئے، وہ پس منظر میں بیان ہوں گے۔ دوسرے مرحلے میں مکی اسلام نے ابراہیمی پس منظر وملت پر اضافہ کیا اور حالات وضروریات اور الٰہی مصالح کے تحت ان کی اسلامی صورت گری کی، لہٰذا ان کا ارتقا تاریخی ترتیبِ واقعات کے مطابق پیش کیا جائے گا۔

ترتیبِ ابواب ومباحث میں فقہی یا حدیثی کتب کا انداز نہایت موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے، جیسے طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے ارکان وعبادات کے بعد معاملات وحدود وتعزیرات سے بحث کی جائے گی۔ ان کے بعد تہذیبی اور معاشرتی اصول وضوابط پر بھی گفتگو ہوگی، کیونکہ مکی اسلام محض دینی احکام کا مجموعہ نہیں تھا وہ قانونی، معاشرتی اور تہذیبی اور اقتصادی قوانین کا جامع بھی تھا۔ دین، معاشرت اور فقہ کے تمام پہلوؤں کو ایک خاص ترتیب سے پیش کرنا ضروری ہے۔ یہ حقیقت ہر حال میں ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ مکی اسلام ہی اصل بنیاد تھا جس پر مدنی اسلام ارتقا پذیر واستوار ہوا تھا۔ اس کی مزید تصدیق ایک اہم ترین ماہرِ اصولِ فقہ اور امامِ حدیث وفقہ کی عالمانہ بحث سے ہوتی ہے جو درج ذیل ہے۔

# امام شاطبی کا نظریہ

امام شاطبی (ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ لخمی غرناطی مالکی، (م ۷۹۰/ ۱۳۸۸ء) نے الموافقات میں ایک اصولی بحث اس ضمن میں کی ہے۔ وہ مکی و مدنی اسلام کے احکام کو کلیات و جزئیات کے حوالے سے بیان کرتی ہے اور اسی اصولی انداز و اصطلاح میں ان دونوں کے باہمی ارتباط اور آپس کے رشتے کو اجاگر کرتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر مدنیات میں تم کوئی کلی اصل دیکھو تو اس پر غور کرو۔ فکر و تدبر سے معلوم ہوگا کہ وہ جزئی ہے اپنے سے زیادہ عام کی نسبت سے، یا کسی کلی اصل کی تکمیل کرتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ اصولِ کلیہ، جن کی حفاظت کے لئے شریعت آئی ہے وہ پانچ ہیں، دین، نفس، عقل، نسل اور مال۔ اذا رأیت فی المدنیات اصلا کلیا فتامله تجده جزئیا بالنسبة الی ماھو اعم منه، او تکمیلا لاصل کلی، وبیان ذالک ان الاصول الکلیة التی جاء ت الشریعة بحفظها خمسة وھی الدین، والنفس، والعقل، والنسل، والمال۔ (۳۰)۔

اس اصولی جامع بحث کے بعد امام شاطبی نے ان کلیات کی مکی اصل کو بیان کیا ہے اور پھر ان کی مدنی جزئیات کو پیش کیا ہے۔ ان کا بنیادی نقطۂ نظریہ ہے کہ تمام کلی اصول و احکام پہلے پہل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئے۔ چنانچہ دین کی اصل وہ ہے جس کی طرف قرآن و سنت اور ان دونوں سے نشو ونما پانے والی فکر نے دعوت دی اور وہ پہلے مکہ میں نازل ہوئی، اما الدین فھو اصل مادعا الیه القرآن والسنة ومانشأ عنھما، وھو اول مانزل بمکة، نفس کی حفاظت کا اصول بھی مکہ میں نازل ہوا، واما النفس فظاھر انزال حفظها بمکة، جیسے آیتِ کریمہ میں ہے: ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الابالحق، واذا الموء ودة سئلت بای ذنب قتلت، وقد فصل لکم ماحرّم علیکم الا ما اضطررتم الیه وغیرہ دیگر ان جیسی آیاتِ کریمہ (۳۱)

اور عقل کو محفوظ رکھنے کا اصول بھی مکی آیات میں مجمل طور سے وارد ہوا ہے، خواہ مدینے میں نازل ہونے والی تحریم خمر کی آیاتِ کریمہ بھی مراد لی جائیں، کیونکہ نفس کی حفاظت کی حرمت میں دوسرے اعضا کی مانند عقل بھی داخل ہے۔ جس طرح ان اعضا کی حفاظت کلی طور سے مقصود ہے، اسی طرح ان اعضا کے منافع بھی اس میں داخل ہیں۔ لہٰذا مکی اصول میں عقل کی بھی شرعی حفاظت موجود ہے، خواہ اس کی کامل بربادی سے حفاظت مراد ہو، جیسے تمام اعضا کا معاملہ ہے، یا اس کے لمحاتی زوال وازالے کا معاملہ ہو کہ ایک گھڑی یا ایک لمحے کے لئے وہ زائل ہوگئی، جیسے اس پر پردہ پڑ گیا اور پھر وہ فاش ہوگیا۔ اس لحاظ سے اس کی حفاظت، تکمیل

کرنے والے احکام (مکملات) سے ہوگی کیونکہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے شراب نوشی کے نقصانات میں بیان فرمایا ہے: انما یرید الشیطٰن یوقع بینکم العداوۃ والبعضاء الخ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ گناہ و سرکشی پر تعاون کے مترادف ہے۔

واما العقل فھو وان لم یرد تحریم مایفسدہ وھو الخمر الا بالمدینة فقد ورد فی المکیات مجملا، اذھو داخل فی حرمة حفظ النفس، کساتر الاعضاء ومنافعھا من السمع والبصر وغیرھما، وکذلک منافعھا، فالعقل محفوظ شرعا فی الاصول المکیة عما یزیله راسا کساتر الاعضاء ساعة اولحظة ثم یعود کانه غطی ثم کشف عنه وایضا فان حفظه علی ھذا الوجه من المکملات، لان شرب الخمر قد بین الله مثالھا فی القرآن حیث قال "انما یرید الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء" الی آخر الآیة، فظھر انھا من العون علی الاثم والعدوان (۳۲)

نسل کی حفاظت کے باب میں مکی قرآن میں جو احکام آئے ہیں ان میں زنا کی تحریم اور شرم گاہ کی حفاظت کا حکم شامل ہیں، واما النسل فقد ورد المکی من القرآن بتحریم الزنیٰ، والامر بحفظ الفروج الاعلی الازواج اوملک الیمین (۳۳)

مال کی حفاظت وتحفظ کے لئے ظلم، مالِ یتیم کے ناحق کھانے، اسراف، بغی (بغاوت)، کم ماپ تول اور ڈنڈی مارنے، زمین میں فساد مچانے اور ان جیسی چیزوں کی تحریم کے احکام بھی مکی آیاتِ کریمہ میں آئے ہیں۔ اور آبرو بھی انہی کے ساتھ شاملِ تحریم ہے کہ وہ بھی نفوس کی ایذا رسانی کے معاملے سے تعلق رکھتی ہے، واما المال فورد فیه تحریم الظلم، واکل مال الیتیم، والاسراف، والبغی، ونقص المکیال او المیزان، والفساد فی الارض، ومادار بھذا المعنی، واما العرض الملحق بھا فداخل تحت النھی عن اذایات النفوس (۳۴)

امام شاطبیؒ اس کے بعد ایک اور حقیقت واضح فرماتے ہیں کہ ان امور کی حفاظت کو صرف منفی انداز سے نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ ان کو مثبت طور سے بھی ثابت و واضح کیا گیا ہے۔ لہٰذا آخری چار اصول میں تو وہ واضح ہے اور دین کے معاملے میں وہ قلب کی تصدیق اور اعضا و جوارح کی پیروی کی طرف راجع ہے۔ قلب سے تصدیق توحید و رسالت و آخرت پر ایمان سے ہوتی ہے۔ اس میں ایمانیات کی فروع بھی شامل ہیں: اور مدنی آیات میں جو مفصل فروع بیان کی گئی ہیں ان کی اصل مکی آیات میں آ گئی ہے۔ ولم ترد

هـذه الامور فی الحفظ من جانب العدم الاو حفظها من جانب الوجود حاصل، ففی الاربعة الاواخـر ظاهـر، وامـا الـدیـن فـراجع الی التصدیق بالقلب والانقیاد بالجوارح، لیفرع عن ذالک کل ما جاء مفصلا فی المدنی، فالاصل وارد فی المکی۔

پھر مزید فرماتے ہیں کہ جوارح سے پیروی وانقیاد واطاعت ایک ہی صورت میں حاصل ہوتی ہے اوراس پر جو اضافہ ہوتا ہے وہ تکمیلی ہوتا ہے۔اس باب میں مکی آیاتِ کریمہ شہادتین، نماز اور زکوٰۃ کو بیان کرتی ہیں اوراس سے اطاعت کے معنی کا حصول ہوتا ہے: والانقیاد بالجوارح حاصل بوجه واحد ویـکـون مـازاد عـلـی ذالک تـکـمیلا، وقد جاء فی المکی من ذالک النطق بالشهادتین، والصلوٰۃ والزکوٰۃ، وذالک یحصل به معنی الانقیاد(۳۵)

روزے اور حج کا معاملہ ایسا ہے کہ وہ تکمیل کے باب سے ہیں، لہٰذا وہ مدنی ہیں، کیونکہ حج پر اول روز سے عربوں کا عمل ہے کہ وہ ان کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ورثہ ہے۔اسلام آیا تو اس نے ان تمام چیزوں کی اصلاح کردی جن کو عربوں نے بگاڑ دیا تھا۔اوران کو ان کے اصل شرائع کی طرف لوٹا دیا، وامـا الـصوم والحج فمدنیان من باب التکمیل علی ان الحج کان من العرب اولا وراثة عن ابیهم ابراهیم، فجاء الاسلام فاصلح منه ما افسدوا، وردهم فیه الی مشاعرهم(۳۶)

یہی روزے کا معاملہ ہے۔ جاہلیت میں لوگ عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ بھی اس کا روزہ رکھا کرتے تھے اور جب آپ مدینہ آئے تو اس کا روزہ رکھا اوراس کے روزوں کا حکم دیا، تاآنکہ وہ رمضان کے روزوں سے منسوخ ہوگیا۔اس کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو ملاحظہ کیجئے جو روزۂ عاشوراء کے بارے میں آتی ہے۔وکذلک الصیام ایضا فقد کانت الجاهلیة یوم عاشوراء وکان النبی ﷺ یـصـومه ایضا، حین قدم المدینة صامه وامربصیامه حتی نسخه رمضان، وانظر فی حدیث عائشة فی صیام یوم عاشوراء(۳۷)

امام شاطبی ان دونوں احکامِ اسلام روزہ وحج کے بارے میں اصولی بات یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں کو مدنی تشریع نے صرف محکم کیا اوران دونوں کو اس بنیاد پر استقرار بخشا، جس پر اللہ تعالیٰ نے اس اتمام کو استقرار دیا ہے اور جس کو اس دن کے حوالے سے بیان کیا ہے جو اس کے عظیم ترین ایام میں ہے جیسا کہ فرمایا: ''الیـوم اکملت لکم دینکم الخ'' ۔لہٰذا ان دونوں کی اصل مجموعی طور سے مکی ہے: فـاحکمهما التشریع المدنی، واقرهما علیٰ مااقر الله تعالیٰ من التمام الذی بینه فی الیوم الذی هو اعظم

ایامه حین قال تعالیٰ : الیوم اکملت لکم دینکم" الآیة، فلهما اصل فی المکی علی الجملة....." (۳۸)

جہاد کے بارے میں بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اصل حکم اسلام ہے اور بعض نے اسے چھٹا رکن بھی قرار دیا ہے اور وہ مدنی حکم ہے مگر امام شاطبیؒ کے فکر ونظریے میں وہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کی صرف ایک فرع ہے اور اس کی اصل مکہ میں مقرر ہو چکی تھی، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے، یابنی اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانه عن المنکر وغیرہ۔ "والجهاد الذی شرع بالمدینة فرع من فروع الامر بالمعروف والنهی عن المنکر، وهو مقرر بمکة، کقوله یا بنی اقیم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانه عن المنکر" وما اشبه ذالک" (۳۹)

امام شاطبیؒ کی اس اصولی بحث نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نتیجۂ فکر اور ہمارے موقف کی ناقابلِ تردید تصدیق فراہم کردی ہے۔ (۴۰) (جاری ہے)

# حواشی وحوالہ جات

۱۔ مولانا شبلی نعمانی / سیرت النبیؐ ۱/ ۱۱۷

۲۔ البرهان فی علوم القرآن، تحقیق محمد ابوالفضل ابراهیم، دار احیاء الکتب العربیه قاهره ۱۹۵۷، ۱/ ۱۸۹

۳۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ (۱۹۰۳۔۱۹۷۹ء) نے "قرآن مجید کی مکی سورتوں کا پس منظر" بیان کرتے ہوئے یہی کچھ لکھا ہے۔ سیرت سرورِ عالمؐ، دہلی۔ ۱۹۸۹ء، ۲/ ۱۹۱۔۴۸۵۔ "دعوت اسلامی کی حقیقی نوعیت" کے تحت اولین پانچ فصول ومابعد

۴۔ سیرت النبیؐ۔ ۱/ ۲۰۶

۵۔ سیرت النبی۔ ۱/ ۲۳۸

۶۔ سیرت النبی۔ ۱/ ۲۴۰۔۲۴۱

۷۔ سیرۃ المصطفیٰ، دار الکتاب دیوبند غیر مورخہ۔ ۱/ ۱۵۳۔۱۵۴۔ سیرت سرورِ عالمؐ، ۲/ ۱۴۳

۸۔ سیرت سرورِ عالم۔ ۲/ ۲۶۰

۹۔ سیرت سرورِ عالم۔ ۲/ ۷۵۱۔۷۶۳

۱۰۔ الانعام: ۸۲، ۹۰

۱۱۔ الانعام: ۹۰

۱۲۔ النحل: ۱۲۳

۱۳۔ الانعام: ۱۶۱

۱۴۔ یونس: ۱۰۵

۱۵۔ الروم: ۳۰

۱۶۔ ملاحظہ کیجئے البقرہ: ۱۳۵۔ آل عمران: ۹۰۔ النساء: ۱۲۰

۱۷۔ فتح الباری، دارالسلام ریاض ۱۹۹۷ء۔ ۶/۶۸۳۔۶۸۴۔ حدیث ۳۵۳۴ اور حدیث ۳۵۳۰

۱۸۔ سیرتِ سرورِ عالم، ۱/۱۹۶۔۱۹۷۔ نیز ماقبل و مابعد۔ دوسرے مباحث۔ باب اول: ۳۹۔۱۸۱ اور باب دوم وسوم ۸۳۔۱۵۳ بالخصوص باب چہارم: سرورِ عالم۔ ۱۵۵۔۱۶۷

۱۹۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ ۱/۱۲۴

۲۰۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ ۱/۱۲۴۔۱۲۵

۲۱۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ ۱/۱۲۵

۲۲۔ ملاحظہ ہو، ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی/ عبدالمطلب ہاشمی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا۔ کتاب سرائے، لاہور۔ ص ۵۷۔۶۲

۲۳۔ حجۃ اللہ البالغۃ، مکتبہ سلفیہ لاہور، غیر مورخہ ۱/۱۲۴۔ ۱۲۸، جو مکتبۂ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۳ء کی طباعت پر مبنی ہے

۲۴۔ مثلاً ملاحظہ ہو، شبلی نعمانی، ادریس کاندھلوی، سید مودودی وغیرہ کی کتبِ سیرت۔ راغب الطباخ، تاریخِ افکار و علومِ اسلامی، اُردو ترجمہ از افتخار احمد بلخی، مرکزی مکتبۂ اسلامی دہلی ۱۹۸۳ء کا باب اول ص ۴۱،۳۷ میں متوازن بحث ہے، مگر رزورر ذائل پر ہے، اور متعدد دوسری کتبِ تاریخ۔

۲۵۔ یونس: ۱۶

۲۶۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، خاکسار کا مضمون، جاہلی عہد میں حنیفیت، معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۳ء۔ مصادر میں: بلاذری، انساب الاشراف، ۱/۹۱۔ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ۱۲۹۔۱۳۰۔ ابن سعد، طبقات، ۱/۳۱۔ بخاری، حدیثِ ہرقل، کتاب بداء الوحی، ۶۔ فتح الباری ۱/۴۲۔۴۴ وغیرہ، مفصل بحث کے لئے مضمونِ خاکسار ''حدیثِ نبویؐ اور حضرت ابوسفیان اموی، حدیثِ ہرقل کا تجزیہ''۔

۲۷۔ شوریٰ: ۵۲

۲۸۔ طبری، تاریخ، ۲/۳۰۴۔ مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب ''وحیِ حدیث'' کا باب: رویائے صادقہ کے ذریعے وحیِ حدیث۔ ص ۶۴، ۶۸ و مابعد۔

۲۹۔ بخاری، کتاب التعبیر، باب الرویا الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزأن النبوۃ۔ حدیث نمبر ۶۹۸۷، و ۶۹۸۸، و ۶۹۸۹۔ فتح الباری، ۱۲/۴۶۶۔۶۸۔

۳۰۔ الموافقات فی اصول الشریعۃ، مطبعہ رحمانیہ مصر، مرتبہ شیخ عبداللہ دراز، کتاب الادلۃ الشرعیۃ،

المسائلۃ الثامنۃ ۔ ۴۶، ۴۷

۳۱۔ الموافقات ۔ ۳/ ۴۷

۳۲۔ الموافقات ۳/ ۴۷۔ ۴۸

۳۳۔ الموافقات ۳/ ۴۸

۳۴۔ الموافقات ۔ ۳/ ۴۸

۳۵۔ الموافقات ۔ ۳/ ۴۹

۳۶۔ الموافقات ۳/ ۴۹۔ ۵۰

۳۷۔ الموافقات ۔ ۳/ ۵۰

۳۸۔ الموافقات ۔ ۳/ ۵۰

۳۹۔ الموافقات ۳/ ۵۰

۴۰۔ امام شاطبیؒ کے لئے ملاحظہ ہو: الزرکلی، الاعلام ۱/ ۷۵ بحوالہ فہرس الفہارس ۱/ ۱۳۴، نیل الابتہاج علی ھامش الدیباج، ۴۶۔ ۵۰) زرکلی نے صرف ''اصولی حافظ من اھل غرناطہ، کان من ائمۃ المالکیۃ'' کہہ کر ان کی چند کتابوں کے نام گنوادیئے ہیں، عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین، دمشق ۱۹۵۷ء، ۱/ ۱۱۸۔ ۱۱۹، حیدر حسن خاں ٹونکی، معجم المصنفین، بیروت ۱۳۴۴ھ، ۴/ ۴۴۸۔ ۴۵۴


﴿سیرت ایوارڈ یافتہ سات مقالات کا مجموعہ﴾

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

آج کے زندہ مسائل

سید عزیز الرحمٰن

صفحات: ۴۰۰ قیمت: ۲۴۰ روپے

مصنف اپنی حمیت دینی، شرافت شخصی، نجابت خاندانی اور تعمق علمی کے ساتھ ساتھ ایک ادیبانہ طرز تحریر کے مالک ہیں۔ ﴿ڈاکٹر محمود احمد غازی﴾

ناشر: القلم: فرحان ٹیرس۔ ناظم آباد نمبر ۲، کراچی۔ فون: 0300-2257355

رابطے کے لئے: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ اے۔ ۴/ ۱۷۔ ناظم آباد نمبر۔ کراچی۔ فون: 6684790